الزام سے انصاف تک:

عالمگیر اور خانوادۂ تیموریہ کے اختلافات کا جائزہ تاریخی شواہد کی روشنی میں

از قلم: قاسم فرحان

متعلم: دارالعلوم دیوبند

پیش لفظ

ہندوستان ایسا خطہ ہے جہاں تمام مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے ہیں، مختلف تہذیبیں اور ثقافتیں اسے ایک انوکھی پہچان عطا کرتی ہیں۔

آٹھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مسلمانوں نے پہلی بار یہاں کی سر زمین پر قدم رکھا،اور اسے اپنا وطن بنا لینے کا خواب سجا لیا،اس کے بعد وقتا فوقتا مسلمان یہاں آتے رہے،بالآخر غوریوں کے حملے کے بعد با قاعدہ طور پر اسے اپنا مسکن بنا لیا،اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

مگر بد قسمتی سے جب ہندوستان کا اقتدار سلاطین تیموریہ کے ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے قبضہ میں آیا،تو انہوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو''کی پالیسی اپنائی،اس مقصد کے تحت ہندوستان میں اختلاف کو ہوا دینے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے گئے،ان میں سے ایک حربہ مسلمان باشاہوں کی کردار کشی کا

تھا،تاکہ ان کی مسخ شدہ صورت عوام کے سامنے پیش کی جائے،اس غرض سے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی گئیں،جس میں مسلم بادشاہوں کو ظالم و جابر اور ہندؤوں کا دشمن ظاہر کیا گیا،تاکہ مذہبی اختلاف کو فروغ ہو اور ہندوستانی عوام کبھی انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم نہ کر سکیں۔

اس پروپیگنڈہ کا سب سے زیادہ شکار تیموری خاندان کا عظیم سلطان''اورنگ زیب عالمگیر''ہوا،مغربی مورخین نے اسے ہندؤوں کا دشمن ثابت کر نے کے لئے مختلف الزام عائد کئے،جن میں مندروں کی مسماری اور جزیہ کی وصولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں،مزید براں اسے ظالم و جابر ثابت کر نے کے لئے جنگ جانشینی کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا،اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ اورنگ زیب نے محض اقتدار کی ہوس میں اپنے بڑے بھائی''دارا شکوہ اور شجاع'' کو قتل کیا،چھوٹے بھائی کو قید کیا اور باپ کو معزول کر کے نظر بند کر دیا،گویا اس نے کسی رشتہ کا لحاظ نہیں رکھا۔

ہندو مورخین نے بھی مغربی مورخین کی تقلید میں ان الزامات کو من و عن نقل کر دیا،اور تحقیق کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی اور باوجودیکہ خود متعدد ہندو مورخین ان الزامات کو بے بنیاد قرار دے چکے ہیں،مگر آج بھی یہ الزام اپنی جگہ برقرار ہے۔

اب ہم تاریخی روایات کی روشنی میں یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ آیا واقعی اورنگ زیب نے جانشینی کی جنگ میں ظلم کو روا رکھا تھا یا یہ محض الزام ہے۔

شہزادگانِ تیموریہ کا اجمالی تعارف

دارا شکوہ:

دارا شکوہ کی پیدائش 1615ء کو اجمیر میں ہوئی تھی،دارا شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا،اس لئے سب سے پیارا تھا،ماں،باپ کے لاڈ پیار اور درباریوں کی خوشامد اور غلط تعریف نے اسے خود سر اور خود رائے بنا دیا تھا۔

تعلیم و تربیت:

دارا شکوہ کی تعلیم کے لئے وقت کے بہترین اساتذہ مقرر کئے گئے،ان میں مولانا عبداللطیف،ملا میرک،اور شیخ ہروی خاص طور پر قابل ذکر ہیں،خطاطی کے لئے عبدالرشید جیسا استاذ ملا،اور شعر و شاعری تو اسے وراثت میں ملی تھی،تصوف سے اسے خاص شغف تھا، تلاش حق میں قید و بند سے کامل آزادی کا حامی تھا،اور یہی بات اسکے بے راہ ہونے کی بنیاد بنی۔

مذہبی حالت:

دارا شکوہ وحدت ادیان کے نظریہ سے متأثر،ویدانتی فلسفہ کا قائل،بد عقیدہ،بد دین اور ملحد تھا،اس نے اپنے عقائد کا آغاز قادری سلسلے میں انسلاک سے کیا،اس دور کے آزاد خیال،وسیع المشرب صوفیہ اس کی رہنمائی کر رہے تھے،جن میں ملا شاہ،شاہ دلربا،شیخ محب اللہ،شیخ محسن فانی،اور سرمد کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں،انہوں نے اسے وہ راہ دکھائی جو وحدت ادیان کی منزل کی طرف جاتی تھی۔

دارا نے ان آزاد خیال صوفیوں پر ہی اکتفاء نہیں کیا،بلکہ ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کو بھی اپنا پیر و مرشد ماننے لگا،ان میں "بابا لال بیراگی"کا نام سب سے اوپر ہے،بابا لال وحدت ادیان کے پرچار اور کفر و شرک کے فرق کو مٹانے کے لئے وجود میں آنے والی "بھگتی تحریک"کا علمبردار تھا،اپنی فکر کو پھیلانے کے لئے اس نے باقاعدہ ایک حلقہ بنا رکھا تھا،جو " بابا لالی"کہلاتا تھا۔

آزاد مشرب صوفیہ اور جوگیوں کی صحبت کا نتیجہ:

آزاد مشرب صوفیہ اور جوگیوں کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ وہ کھلے طور پر اسلام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگا،چنانچہ جب 28 برس کی عمر میں اس نے اپنی دوسری کتاب "سفینۃ الاولیاء" لکھی تو اسی وقت شرعی قیود سے آزادی کے اس رجحان کا اندازہ ہونے لگا،اسی کے ساتھ لوگوں نے اس پر اعتراض کرنا شروع کر دئے،بلکہ اس کی تکفیر تک ہونے لگی،ان اعتراض کا جواب دینے کے لئے اس نے "حسنات العارفین" لکھی اور اس وقت تک اس کے عقائد میں جو تبدیلی ہوئی تھی،ان کا بصراحت تذکرہ کیا،اور علمائے شریعت کو کوستے ہوئے لکھا:

"یہ زاہدانِ خشک ملا اپنی کوتاہ بینی سے اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں،اور اس کی تکفیر پر اتر آئے ہیں" (حسنات عارفین)

اور اس نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو دجال اور فرعون جیسے القاب سے یاد کیا۔

بعد ازاں دارا پر ہندو جوگیوں کا اثر اس قدر بڑھا کہ اس کا دین و مذہب ہی رخصت ہو گیا،1655ء ہی میں اس نے "مجمع البحرین" لکھی،اور اس میں بتایا کہ اسلام اور ہندو مت ایک ہی سمندر کے دو دھارے ہیں،اور یہ ثابت کر نے کی کوشش کی کہ اسلام اور ہندو مت کے افکار میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔

عملی کفر:

یہ تو اس کے عقائدی کفر کا حال تھا،جہاں تک عملی کفر کا تعلق ہے اس حیثیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اسلام کو خیرآباد کہہ دیا تھا،چنانچہ محمد کاظم شیرازی نے لکھا ہے،کہ دارا شکوہ بجائے اسمائے حسنیٰ کے ہندی نام "پربھو"جسے ہندو اسم اعظم سمجھتے ہیں،اپنے پہننے کے جواہرات

پر نقش کراتا تھا،اور اسے متبرک خیال کرتا تھا،اور اس کا اعتقاد تھا کہ عبادتوں کی تکالیف ناقصوں کے لئے ہے،کاملوں کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ،اس پر وہ آیت کریمہ ''واعبد ربک حتی یاتیک الیقین'' سے استدلال کرتا تھا،اسی بناء پر اس نے اس نے روزہ،نماز اور دیگر احکام شرع کو پس پشت ڈال دیا تھا، (عالمگیر نامہ)

ان وجوہ کی بناء پر اورنگ زیب اسے ملحد سمجھتا تھا،اور اسے انہیں جیسے القاب سے یاد کرتا تھا،اور اس کا فوری استیصال بقائے اسلام کی لئے ضروری خیال کرتا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر:

اورنگ زیب عالمگیر کی پیدائش گجرات اور مالوہ کی انتہائی سرحد بمقام ''دوحد''میں 1618ء کو ہوئی،جہانگیر نے اس مولود مسعود کا نام ''اورنگ زیب''رکھا۔

مذہبی حالت:

اورنگ زیب با کمال پختہ کار عالم تھے،اکابر علماء کی نگرانی میں علوم دینیہ کی تکمیل کی،اور مہارت تامہ حاصل کی،وقت کے مشہور علماء کا نام عالمگیر کے اساتذہ میں آتا ہے۔

شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا،1047ھ میں جب وہ بیس برس کے نو جوان تھے،حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند "محمد معصوم خواجہ"سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کر لیا تھا،آپ نے اپنے صاحبزادہ گرامی"خواجہ سیف الدین"کو عالمگیر کے تزکیۂ نفس اور اصلاح حال کے لئے بھیجا،جنھوں نے وہاں مستقل قیام کر کے اورنگ زیب کی تربیت کی،اور والد گرامی کو اس سے با خبر کرتے رہے ،یہ ان اہل اللہ کی فراست ایمانی تھی،جنھوں نے دیکھ لیاتھا،کہ عالمگیر مستقبل میں ہندوستان کے بادشاہ ہوں گے،اور ان کے دامن میں اسلام کو پناہ ملے گی۔

شجاع:

شجاع شاہجہاں کا دوسرا بیٹا تھا،اس کی پیدائش1616ءکو آگرہ میں ہوئی تھی،وہ بچپن سے ہی ذہین، متحرک اور فوجی صلاحیتوں کا مالک تھا، شاہی تعلیم و تربیت نے اس کی شخصیت میں رعب،درباداری اور سپہ سالاری کے اوصاف پیدا کر دئے تھے۔

اوصاف:

شجاع کا مزاج بھائیوں سے مختلف تھا،وہ بہادر، فیاض اور بلند حوصلہ انسان تھا،اس کا دبدبہ اور جاہ و جلال اس کے دربار سے جھلکتا تھا،جہاں شان و شوکت اور فرمانروئی تھی،تاہم اس کی شخصیت میں آزاد خیالی اور حد سے زیادہ عیش پسندی موجود تھی،اور وہ زندگی کی رنگینیوں کا دلدادہ تھا،اسی وجہ سے اس کے امورِ سلطنت اکثر درہم و برہم رہتے تھے۔

مراد بخش:

مراد بخش شاہجہاں کا چوتھا بیٹا تھا،اس کی پیدائش 1624ء کو بہار میں ہوئی تھی،مراد بخش نے بچپن میں قرآن اور عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی،تا ہم وہ فطری طور پر علم و مطالعے سے دلچسپی نہیں رکھتا تھا،اس کی طبیعت کھیل کود کی طرف راغب تھی۔

عادات و اخلاق:

مراد بخش دل کا صاف، جلد یقین کر نے والا،جذباتی مزاج کا حامل تھا،درباری سازشوں،سیاسی پیچیدگیوں سے نا واقف وہ اکثر دوسروں کی رائے پر تکیہ کرتا اور جلد متأثر ہو جاتا تھا،اگرچہ اس میں بہادری اور جوانمردی تھی،مگر تدبر،دوراندیش اور حکمت عملی جیسی صلاحیتیں کمزور تھیں۔

جانشینی کی کشمکش کا آغاز:

1657ء میں شاہجہاں سخت علیل ہوا، مرض نے ایسی شدت اختیار کی کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہی، دارا شکوہ جو شاہجہاں کا سب سے چہیتا بیٹا تھا، جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ چراغ سحری کی مانند ٹمٹما رہا ہے، تو سلطنت کے تمام امور اس نے اپنے ہاتھ میں لے لئے، خبروں کے آنے جانے کو بند کر دیا، اورنگ زیب کے وکیل "عیسی بیگ" کو گرفتار کر لیا، بنگال، گجرات اور دکن کے راستے مسدود کر دئے، تاکہ دیگر شاہزادوں کو بادشاہ کی بیماری کی خبر نہ ہو سکے۔

دارا شکوہ کے ان غیر دانشمندانہ اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت میں افواہیں گردش کرنے لگیں، کہ بادشاہ چل بسا، ملک میں بغاوتیں برپا ہونے لگیں، سب سے پہلے شہزادہ شجاع نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا، اس کے بعد مراد بخش نے "گجرات" میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔

اورنگ زیب اس وقت بیجاپور کی مہم میں مصروف تھا،لیکن جب دارا نے شاہجہاں کی جانب سے حکم جاری کیا،اور عالمگیر کے لشکر میں شامل امراء کو واپس بلا لیا،تو مجبورا عالمگیر کو بیجاپور کے حاکم سے مصالحت کر کے وہاں کی مہم ختم کرنی پڑی،دارا کو سب سے زیادہ خطرہ اورنگ زیب ہی سے تھا،اس لئے اس نے "راجہ جسونت"کو مقرر کیا کہ اگر عالمگیر حرکت کرے تو اسے فورا روک دیا جائے۔

شاہجہاں کی بیماری کے پانچ ماہ بعد اورنگ زیب دکن سے روانہ ہوا،پیشتر ازیں اس نے مراد سے اتحاد کر لیا تھا،اور یہ طے پایا تھا،کہ دونوں فوجیں مالوہ میں جمع ہوں گی،1068ھ میں دونوں بھائی دیپالپور کے مقام پر دریائے "نربدا"کو عبور کر کے ملے،جب یہ خبر راجہ کو ہوئی تو وہ فوج لے کر مقابلہ پر آگیا،اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ صرف باپ کی عیادت کے لئے جا رہا ہے،لہذا تم رکاوٹ نہ بنو،مگر راجہ نے انکار کر دیا،نتیجتا ایک سخت معرکہ برپا ہوا،جس میں جسونت سنگھ کو شکست ہوئی،جب

یہ خبر دارا شکوہ کو معلوم ہوئی تو وہ سخت مضطرب ہوا،اور خود مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا،شاہجہاں نے نہایت تاکید سے روکا کہ تمہارا جانا خلاف مصلحت ہے،میں خود جا کر فتنے کو رفع کئے دیتا ہوں،لیکن دارا نے انکار کر دیا،اور ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا،''سموگڑھ''کے میدان میں شدید لڑائی ہوئی،نتیجہ عالمگیر کی فتح تھی،دارا شکوہ شکست کھا کر آگرہ پہنچا،مگر شرم کے باعث باپ سے ملاقات نہیں کی،اور لاہور کے ارادے سے دہلی روانہ ہو گیا،اورنگ زیب نے آگرہ کے قریب قیام کیا،اور شاہجہاں کو پیغام بھیجا کہ چونکہ آپ عمر رسیدہ ہو چکے ہیں،اس لئے آپ آرام فرمائیں،امور سلطنت آپکی جانب سے میں انجام دیتا ہوں۔

ان تمام واقعات میں غور کر نے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ابتداء ہی سے قصور وار ''دارا شکوہ''تھا،بادشاہ کی بیماری کے وقت خبروں پر پابندی لگانا،اورنگ زیب کے وکیل ''عیسی بیگ''کو گرفتار کرنا،اس کے مال کو ضبط

کرنا، راستوں کی بندش اور فوجی افسروں کو واپس بلا لینا، ایسے اقدام ہیں، جن کو کسی بھی اعتبار سے درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حیرت ہوتی ہے، کہ مشہور مؤرخ "جادوناتھ سرکار" ان تمام حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے محض تعصب کی بناء پر لکھتے ہیں کہ دارا شکوہ نے حصول سلطنت کی کوشش نہیں کی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"شاہجہاں کی بیماری کے دنوں میں دارا نے ان کی بڑی خدمت کی، ہر وقت پاس بیٹھا دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا، اور تخت کے وارث ہونے کی کوئی بیتابی نہیں دکھائی" (شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب/ص45)

حالانکہ تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے، کہ دارا شکوہ نے حصول اقتدار کے لئے نہ صرف ان افعال مذمومہ کا ارتکاب کیا تھا، بلکہ اس نے شاہجہاں کو بھی عملاً نظر بند کر دیا تھا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"دوران علالت شاہجہاں اکبرآباد سے دارالخلافہ جانا چاہتا تھا، لیکن جب دارا کو معلوم ہوا کہ راجہ جسونت کو جنگ میں ہزیمت اٹھانی پڑی تو اس نے بادشاہ کو دارالخلافہ جانے سے روک دیا" (منتخب اللباب/ص38)

اسی طریقہ سے جب دارا خود مقابلے کے لئے تیار ہو گیا تھا، تو شاہجہاں نے روکا اور خود جاکر معاملہ کو رفع کرنا چاہا، لیکن دارا شکوہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا(منتخب اللباب/ص39)

ڈاکٹر برنئیر جو عالمگیر کا سخت مخالف ہے، اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

"ان دنوں شاہجہاں کا حال بہت پتلا تھا، علاوہ شدائد اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتا دارا شکوہ کے پنجۂ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا" (سفرنامہ برنئیر/ص86)

اس بات کا اعتراف خود "جادوناتھ سرکار" بھی کرتے ہیں، چنانچہ وہ "شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب" میں لکھتے ہیں:

"شاہجہاں کی بیماری میں دارا شکوہ ایک دو وزیروں کو چھوڑ کر کسی کو بادشاہ سے نہیں ملنے دیتا تھا" (شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب/ ص44)

ان باتوں کو سامنے رکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ دارا نے حصول سلطنت کی کوئی کوشش نہیں کی تو یہ تاریخی حقائق کے خلاف بات ہوگی، ایسا کہنا دراصل واقعات کو صحیح زاویے سے نہ دیکھنے یا جانبداری سے کام لینے کا نتیجہ ہے۔

اورنگ زیب کی دکن سے روانگی:

دارا شکوہ کی ان تمام کاروائیوں کے باوجود عالمگیر خاموش رہا، حتی کہ جب بھائیوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا، تب بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا، بلکہ اس نے مراد بخش کو خط لکھا کہ جب تک حضور والا زندہ ہیں ہمیں اپنی جگہ سے نہیں ہلنا چاہیئے، چنانچہ عالمگیر نے اپنے خط میں لکھا:

"چوں کہ ابھی تک وقوع قضــیہ کی پختہ خبر نہیں آئی ہے، بلکہ صــحت و عافیت کے آثار نمایاں ہیں، اس لئے اپنی جگہ سے حرکت کرنا، اور بعض امور کا اظہار کرنا مناسب نہیں" (مقدمہ رقعات عالمگیری/ ص409)

لیکن جب اورنگ زیب کو یقین ہو گیا کہ دارا شــکوہ نے شــاہجہاں کو عملاً۔ نظر بند کر دیا ہے، اور اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں، تو عالمگیر کے سامنے دو ہی راستے باقی رہ گئے: یا تو وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے انجام کا منتظر رہے، یا شاہجہاں کو اس کی قید سے آزاد کراکر سلطنت کو اس کے تسلط سے نجات دلائے، چنانچہ عالمگیر نے شــاہجہاں کو چھڑانے کا فیصــلہ کیا، اور دکن سے روانہ ہوا، مگر اس بات کا احتمال تھا، کہ دارا شکوہ عالمگیر کو باپ کے پاس جانے کی اجازت نہیں دے گا، اور راجہ جســونت راســتہ روکنے کی پوری کوشــش کرے گا، اسلئے عالمگیر نے مختصر سپاہ کے ساتھ سفر کرنا احتیاط کے قانون کے خلاف جانا، اور تمام تر فوجی لوازمات کے ســاتھ روانہ ہوا، اور اس بات کا ثبوت عالمگیر کے خط سے بھی ہوتا ہے، جو اس نے روانگی کے وقت

شاہجہاں کو لکھا تھا، خط میں عالمگیر نے دارا کی بے اعتدالیوں اور حد سے بڑھی ہوئی اختیار کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"جب صورت حال یہ ہے، تو مریدانِ خاص اور بااخلاص فرزندوں کا فرض ہے، کہ راستے سے کانٹا ہٹا کر اپنے قبلۂ و کعبہ کی ملازمت (حضوری) کی سعادت حاصل کریں، اور دارا کو قرار واقعی سزا دیں" (رقعات عالمگیری/223)

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے، کہ اورنگ زیب کا آگرہ کی طرف کوچ کرنا، سلطنت کو دارا کے تسلط سے نکالنے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر تھا، اور اس بات کا اعتراف اورنگ زیب کے مخالفین کو بھی ہے، چنانچہ ڈاکٹر برنئیر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے:

"شاہزادوں کو اپنے ارادے سے دستبردار ہونا مشکل تھا، کیوں کہ فتح کی صورت میں تو تخت کی امید تھی، اور شکست کی صورت میں جان جانے کا یقین کلی اب صرف دو باتیں تھیں: موت یا سلطنت" (سفرنامہ برنئیر/ص76)

ڈاکٹر لین پول اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:

"عالمگیر ضرور جانتا ہوگا کہ بھائیوں میں سے کسی ایک کی تخت نشیشی سے وہ یا تو مارا جائیگا یا قید کر دیا جائیگا، حفاظت خود اختیاری میں اس کا فرض تھا، کہ حصول بادشاہت کے لئے وہ بھی نیلامی بول بولے" (رولرس آف انڈیا/ ص38)

تصادمِ شاہ و شاہزادہ:

شاہجہاں کا جانبدارانہ رویہ:

شاہجہاں کی عظمت، اس کی برتری، اس کی مذہبی پابندی اور علوم نوازی کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، ہندوستان کے اسلامی سلاطین میں شاید ایک بھی بادشاہ ایسا نہ ہو، جو اتنا دیر پا اثر صفحاتِ تاریخ پر بلکہ روئے زمین پر چھوڑ گیا ہو،

مگر اس میں ایک خامی بھی تھی،اور وہ اس کی خودی اور ضد تھی، شاہجہاں کا پختہ خیال تھا،کہ وہ جو سوچتا ہے، کبھی غلط نہیں ہو سکتا،اور یہ بات اورنگ زیب کے معاملے میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

دارا شکوہ اورنگ زیب کا شدید مخالف تھا،اسی بناء وہ شاہجہاں کو عالمگیر کے خلاف اکساتا رہتا تھا،جس کی بناء وہ عالمگیر کو اپنا دشمن خیال کرنے لگا،اور معمولی معمولی باتوں پر اورنگ زیب کی پکڑ کرنے لگا،اسی کا نتیجہ تھا،کہ جب عالمگیر دکن سے روانہ ہوا،تو اس نے بارہا شاہجہاں کو خط لکھا،کہ اس کا مقصد آپ کی مخالفت نہیں ہے،اور دارا کی سازشوں سے آگاہ کرتا رہا،چنانچہ راجہ جسونت سنگھ کو شکست دینے کے بعد عالمگیر نے شاہجہاں کو جو خط لکھا تھا،اس میں لکھتا ہے:

"جب میں نے دیکھا کہ اعلی حضرت دارا شکوہ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں،اور برادر کلاں کے کہنے پر اپنے بیٹوں کو دشمن سمجھ لیا ہے،اور جو دارا

تجویز کردے اسی کے مطابق حکم صادر فرما دیتے ہیں، تو میں نے ضروری سمجھا کہ خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال سے آگاہ کروں" (رقعات عالمگیری/ص225)

مگر ان تمام چیزوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، شاہجہاں اورنگ زیب کو دشمن خیال کرتا رہا، چنانچہ اس نے دارا کی بے تحاشہ مدد کی، فوج مہیا کیا، مالی امداد کی، مگر ان تمام چیزوں کے باوجود دارا شکوہ سموگڑھ کے میدان میں شکست کھا گیا، اور اس نے راہ فرار اختیار کر لیا۔

شاہجہاں کی قید:

"سموگڑھ" کی لڑائی میں دارا شکوہ کی شکست کے بعد شاہجہاں کے پاس اتنی فوج نہیں تھی، کہ وہ اورنگ زیب کا مقابلہ کر سکتا، چنانچہ اس نے ظاہری طور پر مصالحت اور ہمدردی کا روپ دھار کر عالمگیر کو زیر دام لانے کی کوشش کی، لہذا اس نے صدر الصدور "مولانا ہدایت اللہ" کے ذریعہ تحفہ تحائف اور پیغام بھیج کر ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا، چنانچہ شاہجہاں نے اپنے خط میں لکھا:

"تم ایک عرصہ تک اپنے قبلۂ حقیقی سے دور رہے،اور اب اس قدر قریب آچکے ہو،لہذا شدت اشتیاق کے غلبہ سے جو لازمۂ جدائی ہے،ہمارا دل بھی تمہارے دیدار کا مشتاق اور آرزو مند ہے۔" (رقعات عالمگیری/ص362)

اورنگ زیب نے اس کے جواب میں لکھا:

"حضور سے اس امر کا امیدوار ہوں کہ میری حاضری کے لئے کوئی وقت مسعود مقرر فرما دیں" (اورنگ زیب از ذکاء اللہ/ص48)

اورنگ زیب دل سے چاہتا تھا،کہ باپ کے پاس جا کر مراسمِ اخلاص و عقیدت بجا لائے،مگر اسے خفیہ ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ دعوت دراصل ایک چال ہے،تاکہ قلعے میں بلا کر اورنگ زیب کو قتل یا قید کر دیا جائے۔

اگلے روز شاہجہاں نے بہت سے جواہرات اور منقش تلوار بھیجی جس پر "عالمگیر" کندہ تھا،مگر اب اورنگ زیب شاہجہاں کے دام میں پھنسنے والا نہیں تھا،اسے شاہجہاں کی نیت کے تعلق سے شبہ ہو چکا تھا۔

جب شاہجہاں کو معلوم ہوا،کہ عالمگیر اس دعوت پر تذبذب میں ہے،تو اس نے خطرہ محسوس کیا،اور قلعے کے دروازے بند کرادئے،جوابا عالمگیر نے قلعے کے گرد اپنی فوجیں تعینات کر دیں۔

تیسرے روز شاہجہاں نے "خواص خان" کے ہاتھ ایک خط بھیجا،جس میں شکوہ،پدرانہ حقوق کی یاددہانی اور خدا اور رسول کا واسطہ تھا،اس کے جواب میں عالمگیر نے لکھا:

"خدا کا شکر ہے،کہ میں آغاز شعور سے ہی ارادت و عقیدت اور مراسم و اخلاق کی ادائیگی سے قاصر نہیں رہا،لیکن ان امور کے بعد جو مشیت الہی سے ظہور میں آئے ہیں،میں طبیعت بشری کے باعث بد گمانی کا شکار ہوں،اور ہراس مجھ پر چھایا ہوا ہے،اب میرے اندر یہ جرأت نہیں کہ اطمینانِ قلب کے ساتھ آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہو سکوں،ورنہ آپ کی حضوری کی آرزو اس قدر ہے،جو تحریر و تقریر کے دائرہ سے خارج ہے،لیکن اگر آپ مرید نوازی فرمائیں،اور حکم جاری کر دیں،کہ میرے کچھ سپاہی قلعے میں باریاب ہو

کر ان لوگوں کی جگہ لے لیں، جو قلعے کی حفاظت کے لئے آپ کی جانب سے مامور ہیں، تب آپ کا قدیم خادم اطمینان قِلب کے ساتھ بارگاہ میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کر سکے گا۔" (رقعات عالمگیری/ص230)

اس کے بعد بھی شاہجہاں نے تأمل کیا، اور ایک سخت خط روانہ کیا، اورنگ زیب نے اس کے جواب میں بس اتنا لکھا:

"کردئے خویش آید پیش زیادت حد ادب حجت تمام"

شاہجہاں کے پاس اب کوئی چارہ نہیں رہا، اس نے قلعے کے دروازے کھول دئے، اس کی فوج نے اطاعت قبول کر لی، اورنگ زیب کے بڑے بیٹے "محمد سلطان" نے قلعہ میں داخل ہو کر بادشاہ سے ملاقات کی، اور اہم سرکاری محلات، خزانے اور توشہ خانوں پر قبضہ کر لیا۔

اورنگ زیب اب بھی باپ سے ملنے کا خواہاں تھا، خافی خان کے مطابق اس نے دوبارہ خط لکھ کر دارا شکوہ کی وجہ سے سرزد شدہ قصور کی معافی

مانگی، لیکن جب اسے یقین ہو گیا،کہ بادشاہ کا میلانِ طبع اب بھی دارا کی طرف ہے، تو اس نے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا،اور شہزادہ معظم کو مقرر کیا،کہ وہ دادا کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت آمیز پیغام پہنچائے۔(منتخب اللباب/ص50)

دو دن بعد "جہاں آرا بیگم"(اورنگ زیب کی بڑی بہن)اورنگ زیب سے ملنے آئی،اس نے شاہجہاں کی جانب سے تقسیمِ سلطنت تجویز پیش کی:دارا کو پنجاب و کابل، مراد کو گجرات، شجاع کو بنگال اور اورنگ زیب کو ولیعہد کا منصب پیش کیا،لیکن عالمگیر اب چوکنا ہو چکا تھا،اسے بخوبی اندازہ تھا،کہ یہ سب تدبیریں محض اسے پھانسنے کے لئے ہے،اس لئے اس نے تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"علامہ شبلی نعمانی"اس موقع پر تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،کہ عالمگیر کا نکتہ چیں اس موقعہ پر کہہ سکتا ہے،کہ اس نے جو کچھ کیا،وہ حفاظت خود اختیاری کے طور پر تھا،لیکن جب وہ جسونت سنگھ کو شکست دے کر آگرہ

کے قریب پہنچ گیا،اور شاہجہاں نے اسے بار بار بلایا،اور سب سے بڑھ کر تقسیمِ سلطنت کی تجویز پیش کی،اس کے باوجود باپ سے گستاخی سے پیش آنا اخلاق کے مذہب میں کفر سے بدتر ہے،لیکن تحقیق طلب بات یہ ہے،کہ کیا شاہجہاں وہی کچھ کرنا چاہ رہا تھا،جو کہتا تھا،اسلامی تعلق سے شاہجہاں اور عالمگیر دونوں واجب التعظیم ہیں،لیکن دونوں سے بڑھ کر حق اور درستی ہے،اور مجھے اس اعلی تر کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیئے۔(اورنگ زیب پر ایک نظر/ص93)

عالمگیر کی قتل کی تیاری:

شاہجہاں دارا شکوہ کی کورانہ محبت میں بہہ کر عالمگیر کو ذلیل و رسوا کرتا رہا،اور اسے اس کے جائز حقوق سے بھی محروم رکھتا رہا، حتی کہ اس کے قتل کا بھی ارادہ کر لیا،اس کے باوجود عالمگیر نے کمالِ سعادت مندی کا ثبوت دیا، بہن جہاں آرا بیگم کے اصرار پر باپ سے ملاقات کے لئے تیار ہو گیا، حالانکہ اسے قتل کی سازش کا شبہ ہو چکا تھا۔

جب عالمگیر ملاقات کے لئے قیام گاہ سے نکلنے لگا، تو اس کے مقربین اور معتمدین نے عرض کیا، کہ یہ محض فریب ہے، قلعہ میں جانا خلاف مصلحت ہے، ان باتوں سے عالمگیر سوچ میں پڑ گیا، عین اسی وقت ایک سازش کا انکشاف ہوا، جس نے اس کے شبہ کو یقین میں تبدیل کر دیا، شاہجہاں کا ایک خط جو اس نے دارا شکوہ کو لکھا تھا، اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گیا، اس میں بادشاہ نے لکھا تھا:

"دارا تم شاہجہاں آباد میں جمے رہو، یہاں خزانے اور لشکر کی کمی نہیں، خبردار یہاں سے آگے نہ بڑھنا، ما بدولت اس قصہ کو ہم یہیں ختم کئے دیتے ہیں۔" (رقعات عالمگیری/ص299)

ڈاکٹر برنئیر جو اورنگ زیب کا شدید مخالف ہے، اور عالمگیر کو دجال، مکار کے الفاظ سے یاد کرتا ہے، اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

"شاہجہاں نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا، کہ دارا نے جو کچھ کیا، وہ نا مناسب تھا، اور اس کی نا سمجھی اور نا لائقی

کی باتیں یاد دلا کر کہا: تم پر ہم ابتداء ہی سے شفقت رکھتے ہیں، پس تمہیں ہمارے پاس جلدی چلے آنا چاہیئے، تا کہ تمہارے مشورے سے ان امور کا انتظام کیا جائے جو افراتفری کے باعث ابتر پڑے ہیں، مگر اس محتاط شہزادے نے بد گمانی سے بادشاہ پر اعتماد کر کے قلعے میں جانے کی دلیری نہیں کی، کیوں کہ اسے معلوم تھا، کہ بیگم صاحبہ (جہاں آرا بیگم) کسی بھی وقت بادشاہ سے جدا نہیں ہوتیں، اور بادشاہ کے مزاج پر اس قدر حاوی ہیں، کہ جو چاہتی ہیں، وہی ہوتا ہے، یہ پیغام محض دھوکہ ہے، اور اس نے قلماقنیوں میں سے جو محل سرا اور پہرے کے کام پر متعین ہیں، کچھ قوی ہیکل اور مسلح عورتیں اس غرض سے لگا رکھی ہیں، کہ جب عالمگیر قلعہ میں داخل ہو تو فورا اس پر آن پڑیں۔ "

(سفر نامہ برنئیر/ص110)

ان حالات کو دیکھ کر عالمگیر نے وہی کیا، جو ایک سمجھدار آدمی کو کرنا چاہیئے، اپنے بیٹے کو بادشاہ کی خدمت میں معذرت کے لئے بھیجا، پانچ ہزار

روپئے نذر کئے،قلعہ کی حفاظت کا مکمل بندوبست کیا،اور اہستہ آہستہ تمام اختیارات اپنے قبضے میں لے لئے۔

ان واقعات پر نگاہ ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے،کہ اورنگ زیب نے باپ کے سامنے پیش ہونے سے حتی الامکان گریز کیا،اور ہر موقع پر احترامِ پدری کو ملحوظ رکھا،مگر افسوس کہ شاہجہاں دارا کی بیجا حمایت میں اس قدر آگے بڑھ گیا،کہ اس نے بیٹے کے قتل تک کی سازش رچ ڈالی،۔

اس پس منظر میں اگر کوئی یہ کہے کہ اورنگ زیب نے باپ کو نظر بند کرکے گستاخی یا بد اخلاقی کی،تو یہ تاریخی حقائق سے منھ موڑنے اور تعصب پر مبنی داستانوں پر یقین کرنے کے مترادف ہے،جس میں ہندو مورخین کو امتیاز حاصل ہے،کیوں کہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو عالمگیر کا طرزِ عمل ہر مرحلے پر احتیاط،تدبر،اور احترامِ والد سے عبارت نظر آتا ہے۔

حسنِ سلوک:

اگرچہ بعض ہندو مورخین نے شاہجہاں کی قید کو ظلم قرار دیا ہے،مگر حقیقت یہ ہے،کہ اورنگ زیب نے اپنے والد کے ساتھ وہ احترام و ادب کا معاملہ کیا،جس کی مثال تیموری تاریخ میں نہیں ملتی،یہ خود شاہجہاں تھا،جو جہانگیر کے خلاف برسرِپیکار ہو چکا تھا،اور جہانگیر نے بھی اپنے باپ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا،مگر اورنگ زیب نے کبھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا،کہ اس کی جنگ شاہجہاں کے خلاف ہے،اس نے جب اس کے متعلق کچھ لکھا،اس میں صرف یہ ظاہر کیا،کہ اس کا مقابلہ دارا سے تھا،اگر عداوت تھی تو دارا سے نہ کہ شاہجہاں سے۔

اورنگ زیب نے شاہجہاں کی آزادی میں صرف اتنی تحدید رکھی،کہ وہ سلطنت کے لئے کسی نقصان کا باعث نہ بن سکے،ورنہ اس کے روز مرہ کے مشاغل میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی تھی،ان کے ذاتی توشہ خانوں کو ہاتھ

تک نہیں لگایا گیا تھا، عالمگیر نے حکم دے رکھا تھا، کہ شاہجہاں جو کچھ طلب کرے فوراً پیش کر دیا جائے، ان کے ذمہ جو رقوم ہیں، وہ ادا کر دئے جائیں، اور جن کے وظائف مقرر ہیں، وہ حسب سابق باقی رکھے جائیں، چنانچہ جہاں آرا بیگم کا آخر تک وہی عزت و مقام برقرار رکھا گیا۔ (مقدمہ رقعات عالمگیری/ص452)

برنئیر لکھتا ہے:

"اورنگ زیب نے شاہجہاں کو بڑی احتیاط سے رکھا، مطلق غفلت نہیں برتی جاتی، جس سے نکل بھاگنے کا خطرہ ہو، لیکن اور سب طرح کا ادب و ملائمت کا معاملہ کیا جاتا ہے، ان شاہی محلات میں بھی رہنے کی اجازت ہے، جس میں وہ رہا کرتا تھا، بیٹی سے بھی ملنے کی اجازت ہے، غرض کہ اورنگ زیب کا سلوک شاہجہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہیں ہے، اور وہ ہر طرح سے بوڑھے باپ کی خاطر مدارت کرتا، تحفہ تحائف بھیجتا اور اہم امور میں اس کی رائے کی پیروی کرتا ہے۔" (سفر نامہ برنئیر/ص108)

ان تمام حقائق کے پیش نظر اورنگ زیب پر باپ کے ساتھ ظلم کا الزام لگانا تاریخی اعتبار سے درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دارا شکوہ کا قتل:

دارا شکوہ نے اپنی کج روی کے باعث شاہجہاں کے بیمار ہوتے ہی بھائیوں سے جنگ چھیڑ دی،اور مجبورا اورنگ زیب، شجاع،اور مراد کو اس کے حملوں کو روکنا پڑا، سموگڑھ کی شکست کے بعد اس نے دوبارہ حصول سلطنت کی کوشش کی،مگر اجمیر کے قریب زبردست ہزیمت اٹھائی،اس کے بعد وہ صحرا نوردی کرتا رہا، حتی کہ جب وہ بلوچستان کی طرف گیا،تو مقامی سردار''ملک جیون''نے گرفتار کر کے اورنگ زیب کے سپاہیوں کے حوالے کردیا،دارا شکوہ کو دہلی لایا گیا،جہاں اسے تشہیر کے بعد قتل کر دیا گیا۔

اس پر مورخین اعتراض کرتے ہیں کہ دارا کتنا ہی برا ہو بہرحال وہ عالمگیر کا بھائی تھا، لہذا اگر اسے قتل کرنے کے بجائے محض نظر بند کر دیا جاتا تو یہ مناسب اور بہتر طرز عمل شمار ہوتا۔

یہ شبہ بظاہر معقول ہے، مگر تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیانِ سلطنت قید اور نظر بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دستبردار نہیں ہوتے، ''خسرو''کی مثال ہمارے سامنے ہے، جس نے نظر بند ہونے کے باوجود جہانگیر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا، لہذا اس بات کا قوی امکان تھا، کہ اگر دارا شکوہ زندہ رہیگا، تو سازشیں برپا رہیں گی، اور امن و امان کا قیام نہایت دشوار ہو جائیگا، اس لئے عالمگیر نے وہی کرنا مناسب سمجھا، جو اسے باپ سے ترکہ میں ملا تھا، شاہجہاں نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کرادیا تھا، عالمگیر کو بھی اس قسم کی بھینٹ چڑھانے کا پورا حق تھا۔

مراد کا معاملہ:

یہ مسئلہ شاہجہاں کی نظربندی اور دارا شکوہ کے قتل سے بھی زیادہ مشکل ہے،شاہجہاں اور دارا شکوہ اورنگ زیب کے صریح مخالف تھے،مگر مراد عالمگیر کا دست و بازو تھا،جسونت سنگھ کے معرکے میں اسی کی پامردی اور جانبازی سے عالمگیر کو فتح حاصل ہوئی تھی،وہ عالمگیر کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا،ایسے مطیع اور جانباز دوست کو عالمگیر کے ہاتھوں یہ صلہ ملا کہ اولا قید ہوا،پھر زندگی سے آزاد ہو گیا،لیکن جب ہم تاریخی واقعات کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے۔

جس زمانہ میں اورنگ زیب دارا شکوہ سے بر سرپیکار تھا،اس وقت عالمگیر اور مراد بخش کا معاہدہ ہوا تھا،جس میں مراد نے اورنگ زیب کو مکمل فتح حاصل ہونے تک اس کی ماتحتی میں لڑنے کا عہد کیا تھا،اس کے بدلے یہ طے پایا تھا،کہ مراد کو غنیمت کا تیسرا حصہ اور صوبہ جات کشمیر،کابل،شمالی

پنجاب،اور سندھ کا باجگزار بادشاہ بنایا جائیگا،پہلے پہل اس نے معاہدے کا پورا خیال رکھا،اور لڑائیوں میں بڑی جوانمردی دکھائی، سموگڑھ کی فتح دراصل اسی کی بے مثل شجاعت و بہادری کے نتیجہ میں حاصل ہوئی تھی۔

سموگڑھ کی فتح کے بعد اس کے مصاحبین اسے عالمگیر کے خلاف اکسانے لگے،مراد نہایت سادہ لوح انسان تھا،امراء و مصاحبین کی باتوں سے اسے خیال ہونے لگا،کہ سارے معرکے اسی نے سر کئے ہیں،اور تنہا میں ہی تخت کا حقدار ہوں ،اس خیال کے ساتھ ہی اس نے نہایت تیزی سے فوجیوں کی بھرتی شروع کی،اور عالمگیر کے کئی بڑے امراء کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا،اب وہ خود کو خودمختار بادشاہ سمجھنے لگا،اور امراء کی ترقیات کے فرمان جاری کر دئے،دوسری جانب جب شاہجہاں عالمگیر کو اپنی چالبازیوں سے قتل نہ کر سکا،تو اس نے مراد بخش کو آلۂ کار بنایا،اور اسے خط لکھا کہ اگر وہ عالمگیر کو قتل کردے،تو اسی کو ہندوستان کا بادشاہ بنایا جائیگا،چنانچہ وہ اپنے خط میں لکھتا ہے:

"تمام ہندوستان کی بادشاہی ہم بخوشی خاطر تمہارے حوالے کرتے ہیں، تم پر لازم ہے،کہ اس سلسلہ میں پوری آگاہی اور بردباری سے کام لو،اور ہرگز اس راز سر بستہ کو قریبی یا کسی دور کے شخص پر ظاہر نہ کرو،چند روز بعد اپنے بھائی اور بھتیجے کو دعوت کے بہانے اپنے محل میں طلب کرنا،اور پھر دونوں کا کام تمام کردینا۔" (رقعات عالمگیری/ص310)

مگر قبل اس کے کہ مراد اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا،اورنگ زیب کو اس کی خبر لگ گئی،اور اس نے مراد کو قید کرکے گوالیار میں نظر بند کردیا،اس نے اسی وقت کہہ دیا تھا،کہ یہ نظر بندی وقتی ہے،اگر وہ اپنے رویے سے باز آجائیگا،تو اسے آزاد کردیا جائیگا،مراد چار سال تک مقید رہا، حتی کہ اس کے خلاف مقدمہ چلا اور وہ قصاصا قتل کر دیا گیا۔

مراد نے گجرات میں اپنے دیوان "علی نقی"کو قتل کیا تھا،لہذا جب عالمگیر کے زمانے میں قصاص وغیرہ کے مذہبی احکام نافذ ہوئے،تو اس کے ورثہ نے بھی اورنگ زیب کے سامنے درخواست رکھی،عالمگیر نے منع کیا،لیکن وہ نہیں

مانا، مجبورا اسے گوالیار کے قاضی کے پاس بھیجا،قاضی نے بھی خون بہا لینے پر بہت اصرار کیا،مگر اس نے انکار کر دیا،اب حکم صاف تھا،کہ مراد سے قصاص لیا جائے،چنانچہ 1661ء میں شہزادے نے "علی نقی" کے خون کا بدلہ اپنے خون سے دیا۔

شجاع:

شجاع دارا کے بعد سب سے بڑا تھا،اس لئے وہ دارا کی شکست کو اپنے لئے نیک فال سمجھتا تھا،لہذا اس نے بھی قسمت آزمائی کی کوشش کی،چنانچہ وہ فوج لے کر آگے بڑھا،اورنگ زیب نے پہلو بچانے کی بہت کوشش کی،مدافعت کے لئے جو فوج بھیجی تھی،اس کی کمان "معظم شاہ" کے ہاتھ میں تھی،اورنگ زیب نے بتاکید اسے لکھا تھا،کہ لڑائی میں پیش قدمی نہ کرے۔

مگر شجاع میں ہندوستان کا بادشاہ بننے کا خواب سمایا ہوا تھا،انجام سے بے پرواہ ہو کر وہ آگے بڑھتا رہا،آخرکار دونوں فوجوں کا سامنا ہوا،شجاع کو شکست ہوئی،اور وہ مع اہل و عیال برما کی طرف بھاگا،اور ارکان کے علاقے میں داخل ہوا،وہاں کے راجہ نے بہت تکریم کی،لیکن اس نے مسلمان باشندوں کے ساتھ سازش کرکے راجہ کے تخت پر قبضہ کرنا چاہا،جس کے نتیجے میں افرادِ خاندان کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

دارا شکوہ کی سیاسی نا اہلی:

اورنگ زیب کے مخالفین جب ان پر تنقید کرتے ہیں،تو عموما دارا شکوہ کے مذہبی خیالات اور اس کی رواداری کو نمایاں کرتے ہیں،اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں،کہ اگر اورنگ زیب کی جگہ دارا شکوہ تخت دہلی پر بیٹھتا تو سلطنت تیموریہ زوال پزیر نہ ہوتی،چنانچہ "آر پی ترپاٹھی"لکھتے ہیں:

"دارا شکوہ فلسفہ اور مختلف مذاہب کے مطالعے کا شوقین تھا،وہ وسیع النظر بھی تھا،اور یہ صفت ہندوستان جیسے وسیع ملک پر حکومت کرنے کے لئے از حد ضروری ہے"(مغل سلطنت کا عروج و زوال/ص498)

حالانکہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں،کہ دارا شکوہ میں انتظامی صلاحیت مفقود تھی،مگر وہ بیجا حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ کبھی اسے موقع نہیں ملا کہ وہ انتظامی امور میں دلچسپی لیتا،تاہم اس بات کا امکان تھا،کہ ہو سکتا ہے،کہ حکومت کے اہم مسائل اور انتظامی دشواریوں کے بارے میں اس کے تجربات کافی وسیع ہوں،کیوں کہ اس نے شہنشاہ کے نائب کی حیثیت سے کام کیا تھا۔"(ایضا/ص499)

اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی دارا شکوہ میں اتنی وسیع سلطنت کے نظم و نسق کی صلاحیت موجود تھی؟

جب ہم دارا شکوہ کے عادات و اخلاق کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرتے ہیں، تو اس سوال کا واضح جواب مل جاتا ہے۔

دارا شکوہ میں وہ اوصاف مفقود تھے، جو کسی کامیاب حکمران کے لئے بے حد ضروری ہیں، شاہجہاں کی حد سے زیادہ محبت نے دارا کو خود رائی اور ضد کا عادی بنا دیا تھا، وہ یہ نہیں کر سکتا تھا، کہ کوئی اس کی بات سے اختلاف کرے، اگر کوئی جرأت کرتا تو اسے دربارِ عام میں ذلیل و رسوا کر دیتا تھا، "ڈاکٹر برنئیر سے بڑھ کر دارا کا حامی کون ہوگا، وہ دارا شکوہ کے متعلق لکھتا ہے:

"دارا خود پسند اور خود رائے تھا، اس کو اس بات کا گھمنڈ تھا، کہ وہ اپنی خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست کرسکتا ہے، اور کوئی مجھے صلاح نہیں دے سکتا۔"

دارا شکوہ چوں کہ آرام و آسائش میں پلا بڑھا تھا، اس لئے اس میں نہ فوجی تجربہ تھا، نہ انتظامی مہارت، حالاں کہ ایک وسیع سلطنت کے استحکام کے لئے یہ دونو ں اوصاف بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، مزید براں وہ طبعا غصیلا اور تند

مزاج تھا،قندھار کے محاصرے کے دوران جب قلعہ طویل جدو جہد کے باوجود فتح نہ ہو سکا،تو دارا نے امراء کو طلب کر کے سخت سرزنش کی،اور غضبناک ہو کر کہا:مجھے اورنگ زیب نہ سمجھنا،اگر قلعہ فتح نہ ہوا تو میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ (منتخب اللباب)

یہ طرز عمل ایک مدبر،بردبار،اور قابل حکمراں کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔

اب سوال یہ ہے،کہ اگر ایسا شخص جس میں انتظامی صلاحیت،فوجی قابلیت اور صبر و استقلال کا فقدان ہو،وہ ہندوستان جیسے متنوع اور وسیع خطے کی باگ ڈور کیسے سنبھال سکتا ہے؟خصوصا اس وقت جب تیموری سلطنت کو مرہٹوں کے ابھرتے ہوئے خطرے کا سامنا تھا،''شیوا جی''جیسے رہنما اپنی عسکری مہارت اور سیاسی تدبیر سے سلطنتِ دہلی کے لئے ایک چیلینج بن گئے تھے،ایسے حالات میں تیموری سلطنت کو ایسے فرمانروا کی ضرورت تھی،جو نہ

صرف جنگی تجربہ رکھتا ہو،بلکہ سیاسی جوڑ توڑ اور تدبیر میں ماہر ہو،اور یہ تمام اوصاف اورنگ زیب عالمگیر میں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔

اگر دارا شکوہ تخت نشیں ہوتا،تو غالب امکان تھا،کہ سلطنت ترقی کرنے کے بجائے مائل بزوال ہو جاتی،مرہٹے اپنی طاقت کو بڑھا لیتے،اور تیموری سلطنت شاید سترہویں صدی کے آخر میں ہی ٹکڑوں میں بٹ جاتی۔

ہندو راجاؤں میں جانشینی کی جنگیں:

ہندو مورخین جب اورنگ زیب پر اعتراض کرتے ہیں،تو خاص طور پر ان کے بھائیوں کے قتل اور شاہجہاں کی نظر بندی کو بڑے زور و شور سے بیان کرتے ہیں،اور یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں،کہ مسلمان محض اقتدار کی ہوس میں اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتے،حالانکہ خود ہندو تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے،جہاں اقتدار کی خاطر بھائی بھائی کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

ہندوستان کے مشہور راجہ ''اشوک'' (جن کی تعریف کرتے ہندو مورخین کے قلم نہیں رکتے) نے تخت حاصل کرنے کے لئے اپنے 99 بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔

اسی طریقے سے جب معروف راجہ ''رانا سانگا'' کی وفات ہوئی، تو ان کا بیٹا ''رتن سنگھ'' میواڑ کا حکمراں بنا، مگر رانا کے دوسرے بیٹے ''بن بیر'' نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ جما لیا، اور ''اودے سنگھ'' کو بھی مارنے کی کوشش کی، مگر اسے اس کی دایا نے بچا لیا، یہ واقعہ ہندؤوں میں بہت مشہور ہے۔

اسی طرح جب شیوا کی وفات ہوئی ، اور اس کے بیٹے ''سنبھا'' (جسے موجودہ دور میں ہندؤوں نے اورنگ زیب جے مقابل لا کھڑا کیا ہے، اور جس کا ظلم اس قدر بڑھا ہوا تھا، کہ خود اس کی قوم اس سے محفوظ نہیں رہ سکی۔) کو معلوم ہوا، کہ امراء اس کے بھائی ''راجہ رام'' کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں، تو اس نے سازشوں سے اقتدار حاصل کیا، پھر راجہ رام کی ماں کو بے دردی سے قتل

کرادیا،اور راجہ رام کو مقید کر دیا،اس نے اس قدر انتقام لیا،کہ برہمنوں اور پنڈتوں تک کو نہ چھوڑا۔ (عالمگیر از ذکاء اللہ)

اسی طرح "راجہ کمبھ "کو خود اس کے بیٹے نے حصول اقتدار کے لئے قتل کردیا تھا۔

حیرت ہے کہ ہندو مورخین اورنگ زیب کے بھائیوں کے قتل کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں،مگر اپنی تاریخ کے ان بھیانک واقعات کو بھول جاتے ہیں،اور ان پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا،کہ تاریخ کو تعصب کی عینک سے نہیں بلکہ سچائی کے آئینہ میں دیکھا جاتا،اور اقتدار کی جنگ میں ہونے والی خونریزی کی وجہ سے اگر ہندو راجاؤں کو ظالم قرار نہ دیا جاتا،تو عالمگیر کو بھی اس سے بری رکھا جاتا۔